دور جدید کے معاشی مسائل اور نظام بنکاری منتخب فقہاء کی آراء کی روشنی میں خصوصی مطالعہ

An Exclusive Study of Modern Economic Issues and Banking System in the Light of Selected Scholars/Jurists

*قسمت خان

** منظور احمد

Abstract

Islam is nature and nature is exactly what human is Allah Almighty.

اِنَّ الدِّینَ عِندَاللّٰہِ الاِسلَامُ-آلعمران19:3

Allah is the favorite religion of Islam

The Quran also describes the verses and verses, as well as the rules of legislation, so that the time of resurrection can be solved by all the problems which come after any other law and the prophet, and the Koran order

مَن یَّبتَغِ غَیرَالاِسلَامِ دِینًافَلَن یُّقبَلَ مِنہُ-آلعمران 3:85

And if you find any other than Islam, you will not be able to call it

So,Allah Almighty has made such a comprehensive religion that in every era, every kind of color and race can be solved by all the Islamic problems, because the evildoer has kept moving in it. Islam is untrue. In Islam, it is implicit of Islam that its law (falsehood) performs the ages (challenges) of the time, not to surrender. 1400 years ago, the simple life of the Arabs or the typical life of the modern cities of modern world. Islam, politics, Provides guidance on the economy, and.In this article, modern economic issues and banking system will be discussed in the light of selected scholars/jurists.

Keywords: legislation, Resurrection, Ralsehood, Rhallenges, Rurrender.

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربیہ، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان qismatkhan19@gmail.com

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربیہ، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

جس طرح قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے اور پیغمبر اسلام سلسلہ نبوت کی آخرت کڑی ہیں اس طرح اسلام کا پیش کیا ہوا نظام حیات سب سے آخری، ابدی اور مکمل دستور ہے۔ یہ نہ صرف اسلام کا دعوی ہے بلکہ ایک طویل تاریخ ہے جو اس کی تصدیق کرتی آرہی ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جو بھی انسان کے خود ساختہ نظام ہیں ان میں قوانین، وسائل وذرائع اور تغیر پذیر اسباب کو سامنے رکھ کر وضع کئے گئے ہیں۔ وسائل اور اسباب کی خصوصیت یہ ہے کہ ان می ہمیشہ تبدیلی اور تغیر پذیر پیش آتا رہتا ہے۔اس لئے ان قوانین کا بھی حال یہ ہوتا ہے کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد دوسرے زمانے میں وہ فرسودہ ہو جاتے ہیں۔اس کے برخلاف اسلامی قانون میں انسان اور اسکی فطرت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

انسانی فطرت ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ مثلاً مسرت و غم، آرام وتکلیف، غصہ رحم، دوستی ودشمنی، مختلف واقسعات پر منفی رد عمل، کھانے پینے اور معاشرت کی بنیادی ضرورتیں اور اس میں خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ، یہ وہ چیزیں ہیں جو ابتداء آفرینش سے انسان میں ہیں۔ اور جب تک انسان رہے گا اس کی یہ خصوصیات بھی قائم رہیں گی۔ اب فطری بات ہے کہ جس دستور حیات میں مرکزی حیثیت ان ہی امور کو دی جائے گی وہ خود بھی ابدی اور لافانی ہوں گے۔

اس طرح اصولی اعتبار سے زمانہ اور حالات کی تبدیلی کا شریعت اسلامی پر کوئی ایسا اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کو دورازکار اور غیر عصری بنادے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اس تہذیبی اور صنعتی انقلاب کو یکسر نظرانداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ سے یقیناً بہت سے ایسے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا حل تلاش کرنا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسکی حیثیت متعین کرنا ضروری ہے اور ناگزیر ہے۔

جدید پیش آمادہ مسائل میں واقعہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچنے اور اعتدال سے کام لینے کی ضرورت ہے، نہ یہ صحیح ہے کہ ہر نئی ایجاد اور نئے نظام کو ناجائز قرار دے دیا جائے۔ اور اس سے زیادہ غلط یہ ہے کہ ہر صحیح غلط کیلئے اسلام میں راہ نکالنے کی سعی کی جائے۔ ہمیں ہر مسئلہ پر اسلام کے چوکھٹے اور دین کے حدود اربعہ میں رہ کر غور کرنا ہے اور جن چیزوں میں امت کے لئے سہولت پیدا ہو سکتی ہے ان میں لچک بھی رکھنی ہے۔

اُمّ المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کا طرز عمل ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

" وما خير بين أمرين إلا اختار أيسرهما ما لم يكن مأثما"[1]

[1] ترمذی، محمد بن عیسی، جامع ترمذی (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۴)، ص: ۱۷۷

"حضور ﷺ کو جب بھی دو باتوں کے بارے میں اختیار دیا گیا آپ نے اس میں سہل کا انتخاب فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ کی بات نہ ہو"۔

فقہاء کا طریقہ یہ بھی رہا ہے کہ جب کسی بات کا ابتلا عام ہو جائے تو اس میں شریعت کی حدوں میں رہتے ہوئے جواز کے حیلے نکالے جائیں جن کا مقصد حرام سے بچنا اور خلاصی حاصل کرنا ہو۔

"و كل حيلة يحتال بها الإنسان ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى الحلال فهي حسنة"[2]

"ہر وہ حیلہ جو بندہ حلال کو حاصل کرنے اور حرام سے بچنے کے لئے استعمال کرتا ہے وہ بہتر ہے"۔

اسلام کی دو وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو اس کو دوسرے تمام الہامی اور غیر الہامی مذاہب کے خود ساختہ جدید و قدیم نظام ہائے زندگی سے ممتاز کرتی ہیں۔ پہلی بات ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر اور جامع دستور ہے۔ جس سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ باہر نہیں ہے شخصی اور عائلی مسائل، معاشیات، سیاسیات، تعزیری اور فوج داری، جنگی اور دفاعی احکام، خارجہ اور داخلہ پالیسی، بین الاقوامی روابط وسلامتی کے قوانین، ریاستی نظام اور ریاست وفرد کے باہمی روابط اخلاقی ہدایات عصری مصالح اور عرف ورواج کی رعایت اور ان ضرورتوں کا حل۔ قانون کے یہ سارے شعبے، ان شعبوں کی تفصیلات اور اس سلسلے میں بنیادی اصول و قواعد اس نے اس خوبی سے پیش کر دیئے ہیں اور ان کو باہم اتنا مربوط اور متوازن رکھا ہے۔ کہ ان پر ادنی نگاہ رکھنے والا بھی یہ ماننے کو تیار نہ ہوگا۔ کہ اسلام محض خلوت اور نجی زندگی کا دین ہے، جلوت اور اجتماعی مسائل سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی افادیت کسی خاص زمانہ اور عہد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اسکی انسانی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت اور افادیت ابدی اور لافانی ہے۔ وقت کے بدلتے ہوئے حالات اور سماج کی تغیر پذیر روش اس کے مضبوط قانونی حصار کو کوئی زِک نہیں پہنچا سکتی۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ شریعت اسلامی میں عقل کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اور فقہاء اسلام نے "حفظ عقل" کو شریعت کے پانچ اہم مقاصد سے ایک قرار دیا ہے۔ اسکے باوجود ضروری ہے کہ عقل کو حکم شرع کے تابع رکھا جائے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں "بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اس لئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے نئی ضرورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اہل زمانہ میں فساد (اخلاق) پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اگر حکم شرعی پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہو جائے گا، اور

[2] سہالوی، ملا نظام الدین، فتاوی عالمگیری (قدیمی کتب خانہ، کوئٹہ، ۲۰۰۶)، ۳۸۶/۴

ان شرعی اصول و قواعد کے خلاف ہو جائے گا، جو سہولت اور آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقے پر رکھنے کے لئے ضرر و فساد کے ازالہ پر مبنی ہے[3]۔"

جدید معاشی مسائل کا حل اور دنیا کے بدلتے ہوئے نظام پر اسلامی قانون کا انطباق ان مسائل میں سے ہے، جس کو اس دور کا اہم ترین اور بنیادی مسئلہ کہا جاسکتا ہے، اور شرع اسلامی کو زندہ و حاضر اور عصری ثابت کرنے کی سب سے بہتر اور واحد صورت یہی ہے کہ ہم اسلامی قانون کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کریں کہ وہ جدید مسائل کا متوازن اور مناسب حل پیش کرتا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ جدید معاشی مسائل کیا ہیں؟، جدید نظام بنکاری کیا ہے؟ اور منتخب فقہاء کی آراء کیا ہیں۔ ذیل میں چند جدید معاشی مسائل اور نظام بنکاری منتخب فقہاء (مفتی منیب الرحمان، مفتی تقی عثمانی، علامہ غلام رسول سعیدی، ڈاکٹر عبدالواحد) کی آراء کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

جدید معاشی مسائل کیا ہیں:

۱۔ قسطوں پر سامان کی خرید و فروخت:

آج کل قسطوں پر سامان کو فروخت کرنے کا رواج عام ہو گیا ہے خریدنے والے کو بھی اس میں سہولت ہوتی ہے اور بیچنے والا بھی ادائیگی میں تاخیر کو ملحوظ رکھ کر قیمت کسی قدر بڑھا کر لیتا ہے۔

۲۔ گارنٹی کے ساتھ فروخت:

اپنی مصنوعات کو فروغ دینے اور گاہکوں کی ترغیب کے لئے آج کل یہ صورت مروج ہے کہ خریدار کو ایک مدت تک سامان کی صلاح و مرمت کا تیقن دیا جاتا ہے۔

۳۔ سرکاری راشن زیادہ قیمت میں فروخت کرنا:

حکومت عوام کو کم قیمت میں بعض اشیاء ضروریہ کی فراہمی کے لئے راشننگ نظام قائم کرتی ہے اور مخصوص ڈیلروں کو یہ سامان حوالہ کرتی ہے، تاکہ عوام وہاں سے یہ اشیاء خرید کر سکیں۔

۴۔ تحریر اور فون کے ذریعہ خرید و فروخت:

خرید و فروخت جس طرح زبان کے ذریعہ ہو سکتی ہے اسی طرح بوقت ضرورت مراسلت اور خط و کتابت کے ذریعہ بھی کی جاسکتی ہے۔

۵۔ دودھ بینک:

---

[3] ابن عابدین، رسائل، (سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ)، 2/ ۱۲۵

اسلام اصولی طور پر اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک خاتون اپنے بچے کے علاوہ دوسرے بچوں کو دودھ پلائے۔

۶۔ **اسمگلنگ:**

مختلف ممالک اپنے ملک کے معاشی مصالح کے پیش نظر دوسرے ملکوں کی برآمدات پر پابندی عائد کر دیتے ہیں کہ ان کے آنے کی وجہ سے ملکی مصنوعات اور ان کی نکاسی کو نقصان نہ پہنچ سکے۔

۷۔ **ذخیرہ اندوزی:**

ذخیرہ اندوزی کو عربی میں احتکار کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

۸۔ **بیعانہ کی رقم کا حکم:**

خرید و فروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد بطور سند و وثیقہ کے خریدار بیچنے والے کو متعینہ قیمت کا ایک حصہ دے دیتا ہے جسے عرف میں "بیعانہ" کہا جاتا ہے۔

۹۔ **اشیاء ضروریہ کا نرخ مقرر کرنا اور اس سے زیادہ میں فروخت کرنا:**

مارکیٹ میں اشیاء ضروریہ کی خریداری کو آسان بنانے اور قیمت پر کنٹرول قائم رکھنے کے لئے حکومت کی جانب سے بعض اوقات اشیاء کا نرخ متعین کر دیا جاتا ہے اور دوکاندار اسی قیمت پر سامان فروخت کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔

۱۰۔ **کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم:**

نوٹ کی نوٹ سے تبادلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ۔ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے تبادلہ۔

۱۱۔ **چٹ فنڈ (CHITFUND):**

ایک خاص رقم متعین ہوتی ہے، چند افراد اس کے ممبر بنتے ہیں۔ وہ مقررہ تناسب کے مطابق ہر ماہ رقم ادا کرتے ہیں اور مجموعی رقم ہر ماہ قرعہ اندازی یا باہمی اتفاق رائے سے کسی ایک کو دے دی جاتی ہے۔

۱۲۔ **ناموں کی رجسٹریشن:**

ناموں کے رجسٹریشن کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی ادارہ اپنے نام کو قانوناً محفوظ کر لیتا ہے۔ اب دوسروں کے لئے اس نام سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اس کو اصطلاح میں گڈول (Good Will) کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ **تالاب میں مچھلی کی بیع:**

ہمارے زمانے میں تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت کا معاملہ کثرت سے رائج ہے۔ جس میں بعض دفعہ معاملہ شریعت کے مقررہ اصولوں کے خلاف طے پاتا ہے۔

۱۴۔ فرضی بیع:

آج کل "فرضی بیع" کی صورت بھی مروج ہے، یعنی خرید وفروخت مقصود نہیں ہوتی البتہ کسی مصلحت سے اظہا رکیا جاتا ہے کہ ہم دونوں نے باہم خرید وفروخت کا معاملہ کیا ہے۔

۱۵۔ خرید وفروخت میں تاجر کا کچھ زیادہ دینا:

بعض علاقوں میں یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ تاجر سامان حوالہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے کچھ دیا کرتا ہے۔ مختلف جگہوں پر اس کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۱۶۔ پارسل، رسائل وغیرہ کا ڈاک میں ضائع ہو جانا:

آج کل خرید وفروخت کے لئے بکثرت ڈاک اور پارسل وغیرہ کے نظام سے مدد لی جاتی ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ راستہ میں وہ چیز ضائع ہو جاتی ہے رسائل وجرائد میں آئے دن ایسا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا؟ بیچنے والا یا خرید کرنے والا؟۔

۱۷۔ اخبارات ورسائل کی خرید وفروخت:

عموماً اخبار و ورسائل کے لئے سالانہ رقم پیشگی لی جاتی ہے اور روزانہ یا ماہ بماہ جریدہ ان کو دیا جاتا ہے۔ ان اخبا رات ورسائل میں کبھی ضخامت بڑھادی جاتی ہے اور کبھی کم کر دی جاتی ہے، کبھی ایک یا چند صفحات میں ایسے اشتہارات دیئے جاتے ہیں جن سے خریداروں کو کوئی فائدہ نہیں کیا یہ جائز ہوگا؟۔

یہ دور جدید کے چند مسائل تھے جو کہ بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں۔ ایسے کئے مسائل ہیں جن کو حل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ علماومفتیان کرام کی ذمہ داری ہے کہ اگر کسی جگہ کوئی غلط کاروبار ہو رہا ہے تو صرف حرام وحلال کا فتوی نہ دیں، بلکہ دور جدید کے مطابق اسکا شرعی حل بھی بتائیں۔ اب مذکور جدید معاشی مسائل کو منتخب فقہاء کی آراء کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جدید معاشی مسائل قابل تغییر ہیں:

عہد صحابہؓ کے بعد جب کہ خلافت کی جگہ بادشاہت نے لے لی، نظم مملکت بہت وسیع ہو گیا، مختلف نوزائیدہ فرقوں نے اپنے مخصوص اعتقادات اور نظریات کو درست قرار دینے کے لئے حدیثیں گھڑنی شروع کر دیں، اور صحابہؓ کے گزر جانے کی وجہ سے "جدید فقہی مسائل" کے حل کے لئے کوئی مرجع باقی نہ رہا، ایک مرتبہ پھر فقہی مسائل کے

حل اور اس کی باضابطہ تدوین کی ضرورت پیش آئی۔ اسلام ایک ہمہ گیر اور جامع دستور ہے۔ جس سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ باہر نہیں ہے شخصی اور عائلی مسائل، معاشیات، سیاسیات، تعزیری اور فوج داری، جنگی اور دفاعی احکام، خارجہ اور داخلہ پالیسی، بین الاقوامی روابط وسلامتی کے قوانین، ریاستی نظام اور ریاست وفرد کے باہمی روابط اخلاقی ہدایات عصری مصالح اور عرف ورواج کی رعایت اور ان ضرورتوں کا حلموجود ہے۔ اب مختصراً بتاتے ہیں کہ وہ کونسے مسائل ہیں؟۔ اور انکا حل کیا ہے؟

تغیر پذیر اور نا قابل تغیر احکام:

یہاں اس بات کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ شریعت میں کچھ احکام نا قابل تغیر ہیں، وہ یہ ہیں عبادات، حقوق وفرائض، وہ محرمات جن کا نصوص میں ذکر موجود ہے، حدود وقصاص، اوزان ومقادیر، وہ مباحات، جن کی اباحت پر نص وارد ہے، اجماعی احکام۔ اور کچھ احکام وہ ہیں جن میں متورع، اصحاب فضل وتقویٰ اور ارباب علم وبصیرت حالات زمانہ کی روشنی میں غور کر سکتے ہیں یہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1. وہ مباح جن کی اباحت پر نص وارد نہیں ہے،۔
2. قرآن وحدیث کی وہ اصطلاحات جن کا خود صاحب شریعت نے قطعی مفہوم متعین نہیں کیا ہے، بلکہ ان کو ہر زمانہ اور ہر عہد کے عرف سے متعلق رکھا ہے، جیسے، عدل وغیرہ
3. تیسرے تعزیزی قوانین ہیں، حکومت وقت اور عدالت کے اختیار میں ہے کہ جرم کے حالات اور اپنے زمانہ کے سماجی واخلاقی احوال کو سامنے رکھ کر اس کی سزا متعین کرے۔ اس طرح جرم وسزا کے باب میں اختیار تمیزی کا ایک وسیع باب کھلا ہوا ہے۔ پس اعتدال کی راہ یہ ہے کہ شریعت کی متعین حدوں پر قائم رہتے ہوئے زمانہ، مقامی حالات، عرف وعادت، سیاسی اور اخلاقی قدروں کی تبدیلی کی رعایت کی جائے۔

اسلامی متبادل:

ذرائع مواصلات کی ترقی، بین الملکی روابط، نئی مشینی ایجادات کے استعمال میں بڑھتے ہوئے امکانی خطرات کو دیکھ کر ضروری ہے کہ کتاب وسنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کا اسلامی متبادل حل تلاش کیا جائے.

دوسری فقہ سے استفادہ:

جدید مسائل کے حل کے سلسلہ میں ہمیں چاہئے کہ جن مسائل میں فقہ حنفی پر عمل میں واقعی حرج وتنگی ہو، اجتماعی ضرورت کو سامنے رکھ کر دوسری فقہ سے جزوی استفادہ کیا جائے، البتہ اس کے لئے حد درجہ حزم واحتیاط سے کام لینے اور ایسے مسائل میں علماء وارباب افتاء کے اجتماعی فیصلہ کی ضرورت ہے۔

ضرورت کی بناء پر عدول:

ضرورت کی بناء پر جزوی عدول کے جائز ہونے پر اکثر لوگوں کا اتفاق ہے۔

فقہاء حنفیّہ کے اقوال:

فقہاء حنفیّہ کے یہاں ایسے اقوال بھی صریحا منقول ہین جواز راہ ضرورت دوسرے مذہب پر فتویٰ کو درست قرار دیتے ہیں اور عملاً ایسی جزئیات بھی موجود ہیں جن سے اس نقطہ کی تائید ہوتی ہے، علامہ شامی کا بیان ہے۔

" و الحاصل أنه إذا اتفق أبو حنيفة و صاحباه على جواب لم يجز العدول عنه إلا لضرورة "[4]

" خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین جس جواب پر متفق ہوں اس سے عدول جائز نہیں، البتہ ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔"

عرف وعادت کے تغیر کی وجہ سے احکام میں تبدیلی:

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب ہو گی کہ عدول کا تعلق ان مسائل سے ہے جن میں مجتہد کی رائے دلائل وبرہان پر مبنی ہو۔ اگر کوئی رائے اپنے زمانہ کے عرف اور مصالح پر مبنی ہو اور عادات واحوال بدل جانے کی وجہ سے احکام میں تغیر کو قبول کیا گیا ہوت و وہ عدل ہے ہی نہیں، بلکہ یہ در اصل اصحاب مذہب ہی کے منشاء ومذاق اور فکر ومزاج کی رعایت کی پیروی سے عبارت ہے[5]۔ لہٰذا عرف وعادت کے تغیر سے احکام میں تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔

عرف وتعامل:

احکام شرعیہ کا بڑا حصہ جو منصوص نہیں ہے۔ اپنے زمانہ کے عرف وعادت پر مبنی ہے۔ عرف یعنی مسلمانوں کا عام تعامل اور طرز عمل فقہ اسلامی کا ایک مستقل ماخذ ہے۔ جس کی تبدیلی سے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

نئے وسائل:

بعض مسائل ایسے ہیں جن کی صورت فقہاء متقدمین نے اپنے عہد کے اسباب ووسائل کو پیش نظر رکھ کر متعین کی تھیں۔ اور اس وقت تک کے ممکنہ وسائل کے اعتبار سے وہ مناسب بھی تھیں اور ضروری بھی۔ لیکن آج کے نئے وسائل، نئی دریافتوں اور نئے نظام کے تحت اب وہ دورازکار اور غیر ضروری ہو گئی ہیں۔ اور ان سے سہل تر اور جلد تر ذرائع کے ذریعہ وہ مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

عصر حاضر کے جدید معاشی مسائل اور فقہاء کی آراء:

---

[4] الشامی، ابن عابدین، رسم المفتی (مکتبہ سعیدیہ، سہارنپور، ۲۰۰۱)، ص: ۸۰

[5] ابن عابدین، رسم المفتی، ص: ۹۲

قسطوں پر سامان کی فروخت:

عصر حاضر میں قسطوں پر خرید وفروخت کا کاروبار بہت عام ہے ،بلکہ تمام اسلامی ممالک میں عام رواج بن ہو چکا ہے،اور بہت سے لوگ اپنی ضروریات زندگی کی آشیاء کی خرید وفروخت ،مکانات ودوکانات کی تعمیر اور جدید قسم کے مہنگے آلات صرف قسطوں پر ہی خرید سکتے ہیں، کیونکہ نقد خریدنا انکی طاقت اور استطاعت سے باہر ہوتا ہے،اس لئے اس کاروبار کا شرعی حکم اور اس سے متعلق مختلف جدید مسائل کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہے

قسطوں پر خرید وفروخت کا مطلب ہے کہ بیچنے والا اپنا سامان خریدار کو اسی وقت دیدے،اور خریدار اس چیز کی قیمت فی الحال ادا نہ کرے۔بلکہ وہ طے شدہ قسطوں کے مطابق اسکی قیمت ادا کرے،ایسے کاروبار کو ''بیع بالتقسیط'' کہتے ہیں۔خواہ طے شدہ قیمت بازاری قیمت کے برابر ہو یا کم زیادہ ہر صورت میں جائز ہے۔

البتہ عام معمول میں اسکی قیمت بازاری قیمت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے۔[6]

سوال یہ ہوتا ہے کہ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

قدیم فقہاء اسکو ناجائز کہتے ہیں جن میں زین العابدین علی بن الحسین،المصور باللہ،الناصر،اور علامہ شوکانی شامل ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ یہ ثمن کی زیادتی ہے''مدت'' کے عوض میں،اور جو ثمن مدت کے عوض میں دی جائے وہ سود ہے۔[7]

جمہور فقہاء، محدثین،آئمہ اربعہ کہتے ہیں کہ ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلے میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ عاقدین عقد کے وقت ہی اسی مجلس میں بیع مئوجل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں یقینی فیصلہ کرکے کسی ایک ثمن پر متفق ہو جائیں تو یہ جائز ہے، مثلاً بائع کہے کہ میں نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں بیچتا ہوں اور اسکے بعد کسی ایک بھاو پر اتفاق ہو جائے تو یہ بیع جائز ہے،اور اگر کسی ایک بھاو پر اتفاق نہیں ہوا تو یہ بیع جائز نہیں ہے۔[8]

چنانچہ امام ترمذی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث" نهى رسول الله عن بيعتين في بيعة "کے تحت فرماتے ہیں۔

---

[6] تقی عثمانی، مفتی، فقہی مقالات (میمن اسلامی پبلشرز، کراچی،۲۰۱۷ء)، ۱/ ۸۲

[7] شوکانی، علی بن محمد، امام، نیل الاوطار (داالوفاء، بیروت،۱۴۳۵ھ)،۵/ ۱۷۶

[8] تقی عثمانی، فقہی مقالات،۱/ ۸۳

" و قد فسر بعض أهل العلم ، قالوا بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة و بنسية بعشرين ، و لا يفارقه أحد البيعين فإن فارقه على عهده فلا بأس إذا كانت العقدة على أحد منهما"
[9]

"بعض اہل علم نے اس حدیث کی یہ تشریح کی ہے کہ "بیعتین فی بیعۃ" سے مراد یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ "میں یہ کپڑا تم کو نقد دس درہم میں بیچتا ہوں ،اور ادھار بیس درہم میں بیچتا ہوں ۔اور پھر کسی ایک بیع پر اتفاق کرکے جدائی نہیں ہوئی۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہوئی تو اس میں کوئی حرج نہیں (یعنی بیع جائز ہے) کیونکہ معاملہ ایک پر طے ہو گیا ہے"۔

اور اس بیع میں جو ثمن کی زیادتی پائی جارہی اس پر ربا کی تعریف بھی صادق نہیں آرہی ہے، کیونکہ وہ قرض نہیں ہے اور نہ ہی یہ اموال ربویہ کی بیع ہو رہی ہے بلکہ عام بیع ہے اور عام بیع میں بائع کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے فروخت کرے، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی چیز بازاری دام پر ہی فروخت کرے، ہر تاجر کے اپنے اصول ہوتے ہیں بعض اوقات ایک ہی چیز کے حالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے قیمتیں مختلف ہو جاتی ہیں۔[10]

آج کل قسطوں پر سامان کو فروخت کرنے کا رواج عام ہو گیا ہے خریدنے والے کو بھی اس میں سہولت ہوتی ہے اور بیچنے والا بھی ادائیگی میں تاخیر کو ملحوظ رکھ کر قیمت کسی قدر بڑھا کر لیتا ہے، اس طرح کی خرید و فروخت میں نقد کی قیمت کم اور ادھار کی زیادہ ہوتی ہے، یہ صورت جائز ہے۔ البتہ معاملہ طے کرتے ہوئے ان امور کا خیال رکھا چاہئے:

۱۔ معاملہ نقد ادھار میں سے کسی ایک نوعیت پر قطعیت کے ساتھ طے کر لیا جائے۔

۲۔ ادھار جو قیمت مقرر کی جائے وہ بھی ایک اور مقرر وطے شدہ ہو۔

۳۔ تاخیر کی وجہ سے قیمت میں مزید اضافہ نہ کیا جائے۔ اگر اضافہ کیا گیا تو حرام اور سود ہوگا[11]۔

گارنٹی کے ساتھ فروخت کرنا:

اپنی مصنوعات کو فروغ دینے اور گاہکوں کی ترغیب کے لئے آج کل یہ صورت مروج ہے کہ خریدار کو ایک مدت تک سامان کی صلاح و مرمت کا تیقن دیا جاتا ہے، یہ مسئلہ اس لئے اہم ہے کہ شریعت نے خرید و فروخت میں کسی

[9] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۴۳۰ھ)، ص: ۳۳۱

[10] تقی عثمانی، فقہی مقالات، ۱/ ۸۴

[11] منیب الرحمان، مفتی، تفہیم المسائل (ضیاالقرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳)، ۶/ ۴۰۰

اضافی شرط کو جائز قرار نہیں دیا ہے، اسی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قسم کی گارنٹی کی وجہ سے یہ معاملہ ناجائز قرار پائے، لیکن فقہاء کے نزدیک شریعت کی اس ممانعت کا منشاء امکانی نزاع کا دروازہ بند کرنا ہے اور جو شرطیں معروف و مروج ہو جاتی ہیں، وہ نزاع کا باعث نہیں بنتی ہیں لہٰذا اسی شرطوں کو جائز اور قابل عمل قرار دیا گیا ہے۔ صاحب ہدایہ کا ایسی شرطوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' إلا أن يكون متعارفا"[12]

''لیکن اگر وہ مروج ہو تو جائز ہے۔''

پس مصنوعات کے ساتھ گارنٹی دینا اور اس سے فائدہ اٹھانا دونوں ہی جائز ہیں۔

سرکاری راشن زیادہ قیمت میں فروخت کرنا:

حکومت عوام کو کم قیمت میں بعض اشیاء ضروریہ کی فراہمی کے لئے راشننگ نظام قائم کرتی ہے اور مخصوص ڈیلروں کو یہ سامان حوالہ کرتی ہے، تاکہ عوام وہاں سے یہ اشیاء خرید کر سکیں۔ اخلاقی انحطاط اور زوال اس درجہ ہو چکا ہے کہ تجار اس قسم کی اشیاء بچانے کی کوشش کرتے ہیں یا تو حق داروں کو کسی بہانہ سے محروم کرتے ہیں، یا کسی نے اپنا راشن نہیں لیا تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور غیر قانونی راستہ سے اسی کو زیادہ قیمت میں فروخت کر دیتے ہیں۔

یہ صورت قطعاً جائز نہیں کیوں کہ اس صورت میں ڈیلرز محض حکومت کے وکیل ہیں، اصل فروخت کنندہ حکومت ہے، لہٰذا حکومت نے جب ایک قیمت متعین کر دی ہے کہ اس سے زیادہ میں فروخت نہ کیا جائے اور یہ بھی متعین کر دیا ہے کہ کن اشخاص کے ہاتھ کتنا فروخت کیا جائے، تو اب ڈیلرز قانوناً اور شرعاً اس کے پابند ہیں، نہ اس کی خلاف ورزی جائز ہے اور نہ اس سے حاصل ہونے والا نفع حلال[13]۔

تحریر اور فون کے ذریعہ خرید و فروخت:

خرید و فروخت جس طرح زبان کے ذریعہ ہو سکتی ہے اسی طرح بوقت ضرورت مراسلت اور خط و کتابت کے ذریعہ بھی کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ بیچی جانے والی چیز اور اس کی قیمت تحریر کے ذریعہ مناسب طور پر متعین کر دی جائے اور معاملہ میں ایسا ابہام باقی نہ رہے کہ آئندہ نزاع کا اندیشہ رہ جائے۔ البتہ ضروری ہے کہ اس صورت میں خرید و فروخت میں سامان اور قیمت پر ایک ہی مجلس میں قبضہ ہو جانا ضروری ہے۔ تحریر کے ذریعہ خرید و فروخت کی

---

[12] مرغینانی، برہان الدین، ہدایہ (مکتبہ شرکۃ علمیہ، ملتان، ۲۰۰۴)، ۱/ ۴۴۲

[13] رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، جدید فقہی مسائل (زمزم پبلیشرز، کراچی، ۲۰۱۲)، ۱/ ۲۵۸

بابت علامہ شامیؒ کا بیان ہے: " و يكون بالكتابة من الجانبين فإذا كتب اشتريت عبدك فلانا بكذا و كتب إليه البائع قد بعت فهذا بيع "[14]

اور خرید و فروخت کا معاملہ فریقین کی جانب سے تحریری شکل میں ہو سکتا ہے تو اگر خریدنے والے نے یہ لکھ دیا کہ میں نے اتنے میں تیرے فلاں غلام کو خرید لیا اور بیچنے والے نے بھی تحریری شکل میں اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو اس معاملہ پر بیع کا اطلاق ہو گا۔ "جس طرح تحریر کے ذریعہ خرید و فروخت درست ہے اسی طرح ٹیلی فون کا حکم ہو گا، اس لئے کہ تحریر اور ٹیلی فون دونوں میں قریبی مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اسی طرح فیکس کے ذریعہ بھی خرید، فروخت کا معام جائز ہو گا۔ فی زمانہ فون، فیکس اور مراسلت کے ذریعہ بیرون ملک اور اندرون ملک ایک شہر سے دوسرے شہر جو خرید و فروخت کی جاتی ہے وہ جائز و درست ہے۔

دودھ بینک:

۱۔ اسلام اصولی طور پر اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک خاتوں اپنے بچے کے علاوہ دوسرے بچوں کو دودھ پلائے۔ حدیث کی کتابوں میں بکثرت اس کی نظیریں ملتی ہیں، اور نکاح میں حرمت رضاعت کے تمام احکام اسی اصول پر مبنی ہیں۔

۲۔ اس قسم کے منظّم بینک قائم کرنے میں دو مسئلے پیدا ہوں گے۔ ایک تو دودھ کی خرید کا اور دوسرا دودھ کی فروخت کا۔ اس پر تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ دودھ پلانے والی دودھ پلائی کی اجرت لے سکتی ہے، اور اس کی بھی خود قرآن مجید میں صراحت موجود ہے کہ جو اپنے بچوں کو دودھ پلوائیں چاہئے کہ اس کی اجرت ادا کریں، فقہاء نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ لیکن بیع اور اجارہ کے درمیان فرق ہے۔ احناف کے یہاں دودھ کے اجزائے انسانی میں سے ہونے کی وجہ سے اس کی بیع جائز نہ ہو گی۔ البتہ امام شافعیؒ کے یہاں دودھ کی بیع درست ہے اور یہی رائے امام احمدؒ کی بھی ہے۔

" و من ذلك قول الشافعي و أحمد بجواز بيع لبن المرأة مع قول أبي حنيفة و مالك لا يجوز بيعه "[15]

اسی بنیاد پر امام شافعی اور امام احمد کا عورت کے دودھ کی بیع کے جواز کا قول ہے حالانکہ اس کے ساتھ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول عدم جواز کا ہے۔

---

[14] ابن عابدین، محمد امین، رد المختار (ضیاالقرآن، لاہور، ۲۰۰۷)، ۴/ ۲۱۲

[15] مرغینانی، ہدایہ، ۳/ ۵۵

حنابلہ اور شوافع اجارہ پر قیاس کرتے ہیں اور احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ اجارہ میں دودھ کا عوض نہیں ہے بلکہ اس کے عمل کا معاوضہ ہے۔اس طرح امام شافعی واحمدؒ کے یہاں اس کی اجازت ہو گی امام ابو حنیفہؒ کے یہاں جائز نہیں اور حنفیہؒ کا نقطہ نظر فطرت سے ہم آہنگ، عقل کے تقاضوں کے مطابق اور نصوص کے موافق ہے۔

اسمگلنگ:

مختلف ممالک اپنے ملک کے معاشی مصالح کے پیش نظر دوسرے ملکوں کی برآمدات پر پابندی عائد کر دیتے ہیں کہ ان کے آن کی وجہ سے ملکی مصنوعات اور ان کی نکاسی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔اس کی خلاف ورزی اور اسمگلنگ کا کاروبار درست نہیں ہے اس لئے کہ ایک تو یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جو اس ملک کا شہری ہونے کے لحاظ سے اس کے قانون کے احترام کے سلسلہ میں ضروری ہے۔ دوسرے اس طرح وہ پوری قوم اور باشندگان ملک کو اپنی حرکت کے ذریعہ نقصان پہنچاتا اور زیر بار کرتا ہے جو غیر اسلامی ہونے کے علاوہ غیر انسانی حرکت بھی ہے۔ معاشی مصالح کے پیش نظر اس قسم کی پابندیوں کی گنجائش ہے۔اس کی نظیر "تلقی جلب" اور "بیع حاضر للبادی" ہے، جس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے[16]۔ یوں کہ اس کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے اور اس شہر کے باشندوں کو زک پہنچتی ہے، یہی مضرت اسمگلنگ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کی آمد کی وجہ سے اس ملک کی صنعت اور یہاں کا معاشی توازن بگڑتا اور متاثر ہوتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی:

ذخیرہ اندوزی کو عربی میں احتکار کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ "ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے" چنانچہ خلفاء راشدینؓ اس پر خاص نظر رکھتے کہ لوگ ذخیرہ اندوزی کرکے بازار کو گرا ان نہ کریں۔ سیّدنا عمر بسا اوقات بازار میں اس کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ ایک مقام سے گزرے اور ایک ذخیرہ اندوز تاجر کا مال دیکھا تو اسے نذر آتش کرادیا فقہاء نے بھی اسے مکروہ بلکہ حرام قرار دیا ہے۔اس لئے کہ اس کی وجہ سے بازار گراں ہوتا ہے اور عام لوگوں کے لئے ضروریات زندگی کا حصول دشوار ہو جاتا ہے، اکثر فقہاء کے یہاں یہ ذخیرہ اندوزی صرف غذائی اشیاء اور حیوانات کے چارے میں ممنوع ہے، غیر معمولی حالات میں امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک تمام ہی اشیاء ضروریہ میں احتکار حرام ہے اور یہی رائے امام ابو یوسف کی ہے۔ غالباً یہ رائے زیادہ قرین صواب ہے۔اس ذخیرہ اندوزی کی مدت "۴۰" دن متعین کی گئی ہے یعنی

[16] محمد بن عیسی، جامع ترمذی، ۱/ ۲۲۳

۴۰ دنوں تک مال کا روکے رکھنا تا کہ گراں فروشی کا موقع فراہم ہو سکے، احتکار ہے اور ممنوع ہے[17] یہاں تک کہ فقہاء نے حکومت اور انتظامیہ کو اس بات کا حق دار گردانا ہے کہ وہ ضروری سمجھے تو بالجبر ایسا مال نکال کر فروخت کرادے۔

بیعانہ کی رقم کا حکم:

خرید و فروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد بطور سند و وثیقہ کے خریدار بیچنے والے کو متعینہ قیمت کا ایک حصہ دے دیتا ہے جسے عرف میں "بیعانہ" کہا جاتا ہے۔ فقہ کی اصطلاحی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مشتری کی جانب سے ثمن کے بعض حصہ پر قبضہ دلانا ہے، اس میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن اس کی مروجہ صورت کہ اگر بعد کو خرید ار نے نہ لیا تو اس کی یہ رقم سوخت اور کالعدم ہو جائے، درست نہیں ہے۔ حدیث میں اس کو "بیع عربان" کہا گیا ہے،

چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

" نهى عن العربان أن يقدم إليه شيئ من الثمن فإن اشترى حسب عن الثمن و إلا فهو له مجانا و فيه معنى الميسر"[18]

حضور ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ بائع کو ثمن کا کچھ حصہ دیا جائے کہ اگر اس نے خرید لیا تو وہ قیمت میں محسوب ہوگا اور اگر نہ خریدا تو بائع کو وہ رقم مفت حاصل ہو جائے گی اس میں جُوا پایا جاتا ہے۔

اگر خرید و فروخت کا معاملہ طے پا چکا تا اور پختہ ہو گیا تھا تو خریدار کے لئے ضروری ہے کہ پوری قیمت دے کر وہ سامان لے لے یا دونوں باہمی آمادگی سے اس طرح معاملہ کو ختم کر دیں کہ کوئی کسی سے کچھ نہ لے اور بیعانہ کی رقم واپس کر دے مگر امام محمدؒ کے یہاں جو مدّت باہم طے کر لی جائے اس کا اعتبار ہوگا اور اگر مدّت مقررہ پر قیمت ادا نہیں کی تو خود بخود معاملہ ختم ہو جائے گا۔ فی زمانہ بد عہدی اور وعدہ خلافی کے پیش نظر میرا خیال ہے کہ اسی قول پر فتویٰ دیا جانا چاہیے۔

اشیاء ضروریہ کا نرخ مقرر کرنا اور اس سے زیادہ میں فروخت کرنا:

---

[17] رحمانی، جدید فقہی مسائل، ۱/ ۲۵۲

[18] شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، (زمزم پبلیشرز، لاہور، ۲۰۱۲)، ۲/ ۱۰۰

مارکیٹ میں اشیاء ضروریہ کی خریداری کو آسان بنانے اور قیمت پر کنٹرول قائم رکھنے کے لئے حکومت کی جانب سے بعض اوقات اشیاء کا نرخ متعین کر دیا جاتا ہے اور دوکاندار اسی قیمت پر سامان فروخت کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ حکومت کے اس طرح کے اقدام کو فقہاء نے خصوصی حالات میں جائز قرار دیا ہے،

چنانچہ علامہ حصکفیؒ کا بیان ہے:

"و لایسعر الحاکم إلا إذا تعدی الأرباب عن القیمة تعدیا فاحشا" [19]

حاکم اشیاء کا نرخ متعین نہیں کرے گا سوائے اس کے کہ تاجر حضرات قیمت میں غیر معمولی اضافہ کر دیں۔ تاجروں کے لئے متعینہ نرخ کی پابندی واجب ہے، خلاف ورزی پر قید اور سرزنش بھی جائز ہے، تاہم اگر وہ زیادہ قیمت وصول کرے گا تو بیع جائز ہوگی۔

کاغذی نوٹ اور کرنسی:

کاغذی نوٹ کے بارے میں دو آراء موجود ہیں ایک رائے یہ ہے کہ یہ مالی دستاویز اور سند ہیں ان کے نزدیک یہ نوٹ اس قرض کی سند جو اس کے جاری کرنے والے کے ذمہ واجب ہے لہٰذا ان کی رائے میں یہ نوٹ نہ ثمن ہیں اور نہ مال بلکہ نوٹ وثیقے سے عبارت ہے جو مدیوں نے دائن کو لکھ کر دیا ہے تاکہ جب چاہئے اس کے ذریعے اپنے دین پر قبضہ کرلے۔

اگر یہ نوٹ سونے یا چاندی کی دستاویز اور سند ہیں تو اس صورت میں ان کے ذریعے سونا، چاندی، خریدنا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ سونے کا سونے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کرنا بیع صرف ہے بیع صرف میں بیع اور ثمن دونوں کا مجلس عقد میں قبصہ کرنا شرط ہے اگر نوٹوں کے ذریعے سونا، چاندی خریدی تو صرف ایک طرف سے قبضہ پایا گیا دوسری طرف سے قبضہ نہیں پایا گیا۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اب یہ نوٹ بذات خود ثمن عرفی بن گئے ہیں جو شخص یہ نوٹ ادا کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے مال اور ثمن ادا کیا ہے ان نوٹوں کی ادائیگی سے دین کا حوالہ نہیں سمجھا جائے گا لہٰذا اس رائے کے مطابق ان نوٹوں کے ذریعہ زکوۃ فی الفور ادا ہو جائے گی اور ان کے ذریعے سونا، چاندی خریدنا بھی جائز ہوگا۔

مفتی محمد تقی عثمانی کہتے ہیں کہ

اس موضوع پر کتب فقہ اور معاشیات کیا کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میرے خیال میں ان نوٹوں کے بارے میں دوسری رائے زیادہ صحیح ہے کہ اب یہ نوٹ بذات خود ثمن عرفی بن گئے ہیں اور اب یہ حوالے کی حیثیت نہیں

[19] حصکفی، در مختار، (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۳)، ۵/ ۲۵۶

رکھتے ہیں اختلاف زمانہ کے لحاظ سے دونوں آراء ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں یہ کاغذی نوٹ قرض کی دستاویز سمجھے جاتے تھے جیسا کی انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے۔

دنیا میں بیک نوٹ (موجودی کاغذی کرنسی) کا رواج بینک چیک کے رواج سے پہلے ہوا تھا اور یہ بینک نوٹ قرض خواہ کے پاس اس قرض کی سند سمجھا جاتا تھا جو قرض اس کا بینک کے ذمہ ہے اگر یہ نوٹ دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائیں گے لہٰذا دوسرا شخص جواب اس کا حامل ہے خود بخود بینک کا قرض خواہ بن جائے گا اس وجہ سے تمام مالی حقوق کو اس کے ذریعے ادا کرنا حقیقی کرنسی کے ذریعے ادا کرنے کی طرح ہے۔[20] جب نوٹ کا رواج زیادہ ہو گیا تو حکومت نے اس کو قانونی زر قرار دے دیا اور شخصی (غیر سرکاری بینکوں کو اسکے جاری کرنے سے منع کر دیا۔

حکومت کی طرف سے اس علان کے بعد نوٹ کی حیثیت دوسری مالی دستاویزات سے مندجہ ذیل حیثیتوں سے مختلف ہو گئی۔

۱۔ اب یہ نوٹ قانونی زر کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور عرفی ثمن کی طرح لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

۲۔ یہ نوٹ غیر محدود اور زر قانونی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں جب کہ دھاتی کرنسی محدود زر قانونی ہے اسلیے ان نوٹوں کے ذریعے قرض کی بڑی سے بڑی مقدار کی ادائیگی ممکن ہے۔

۳۔ قرض کی داستاویز ہر شخص جاری کر سکتا ہے اس میں شرعاً اور قانوناً کوئی ممانعت نہیں لیکن یہ نوٹ حکومت کے علاوہ کوئی اور شخص جاری نہیں کر سکتا۔

۴۔ دنیا کے تمام ممالک میں عرفاً اور قانوناً نوٹوں کے لیے کیش ثمن اور کرنسی کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جب کہ دوسری مالی دستاویزات کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں ہوتے۔

۵۔ لوگ آپس میں ان نوٹوں کے لین دین اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں جس اعتماد کے ساتھ دھاتی کرنسی کا لین دین کرتے ہیں۔

۶۔ اب ان کاغذی نوٹوں کی پشت پر کوئی سونا چاندی سرے سے موجود نہیں ہے اور نہ اسے سونے میں تبدیل کرنا ممکن ہ کرنسی نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے اس کا مطلب اتنا رہ گیا ہے کہ

[20] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ۱۹۵۰ء، ۳/ ۴۴

حکومت اس نوٹ کی ظاہری قیمت کی ضامن ہے اور اس کی ظاہری قیمت اس کی قوت خریدی کا ہی دوسرا نام ہے یہ وجہ ہے کہ بینک اب اس کے بدلے میں سونا چاندی یا دوسرے سکے دینے کا پابند نہیں ہے۔[21]

مفتی منیب الرحمان کہتے ہیں کہ

نوٹ کی نوٹ سے تبادلہ کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک ہی ملک کی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ

۲۔ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے تبادلہ۔

دنیا کے تمام ممالک کے مالیاتی نظام کی اساس کرنسی پر ہے اور نوٹ کی قانونی حیثیت مختلف ادوار میں بدلتی رہتی ہے، اس لئے اسکا شرعی حکم بھی تبدیل ہوتا رہے گا، جب نوٹ کی پشت پر سونے کی ضمانت تھی، اس وقت نوٹ سونے کے حکم میں تھا، لیکن اب دنیا میں کہیں بھی یہ قانونی پابندی نہیں ہے، اب کسی بھی ملک کی کرنسی کی قدر کا مدار اسکی درآمدات اور برآمدات کے توازن پر ہے، اسی کو افراط زر کہتے ہیں، لہٰذا اضافی رقم دیکر نئے نوٹ یا انعامی بانڈز خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ نئے نوٹ یا انعامی بانڈز خریدنے کے لئے کسی کو طے شدہ اجرت دے سکتے ہیں۔[22]

مفتی محمد تقی عثمانی کہتے ہیں کہ

فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ فلوس نافقیہ (مروجہ سکوں) کی طرح علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں جس طرح فلوس نافقہ کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے اور لوگوں میں ان نوٹوں کے ذریعے لین دین کا رواج " فلوس نافقہ " ہی کی طرح ہو گیا ہے بلکہ موجودہ دور میں دھاتی سکوں کا وجود بھی نادار ہو چکا ہے ان نوٹوں میں تبدیلی کو یہ کہہ کر کرنا جائز قرار دینا کہ یہ بیع الکالی یا لکالی کی قبیل سے ہے یا ان نوٹوں کے ذریعے سونے چاندی کی خرید کو اس لیے ناجائز قرار دینا کی یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں دونوں طرف سے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے جو یہاں نہیں پایا گیا۔ عرب کے علماء کی ایک بڑی تعداد تو یہ کہتی ہے کہ یہ اب سونا چاندی کے قائم مقام ہوں گے، میری ذاتی رائے جس کی برصغیر کے بیشتر مفتی حضرات نے تائید کی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا حکم فلوس جیسا ہے۔[23]

علامہ غلام رسول کہتے ہیں کہ

---

[21] سعیدی، شرح صحیح مسلم، ۴/ ۳۶۱

[22] منیب الرحمان، تفہیم المسائل، ۸/ ۳۵۳۔۳۳۴

[23] تقی، عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ۳/ ۱۶۰۔۱۶۱

ابتداء میں یہ کاغذی نوٹ قرض کی دستاویز شمار ہوتی تھی اب یہ نوٹ قانونی زر کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور دوسرے عرفی ثمن کی طرح لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر بھی مجبور کر دیا گیا ہے۔ بعض اوقات بینک مطالبہ کے وقت اس کے بدلے میں اس کی ظاہری قیمت کے برابر دوسرے نوٹ ادا کر دیتا ہے حالانکہ نوٹ کے بدلے میں نوٹ ادا کرنے کو قرض کی ادائیگی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس نے ایک کرنسی کو دوسری کرنسی سے تبدیل کرکے دے دیا اور مرکزی بینک نوٹوں کی یہ تبدیلی بھی صرف اسی مقصد کے لیے کرتا ہے تاکہ ان نوٹوں پر لوگوں کا اعتماد باقی رہے۔[24]

فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی ستاویز کی حیثیت نہیں رکھے بلکہ فلوس نافقہ (مروجہ سکوں) کی طرح یہ علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور لوگوں میں ان نوٹوں کے ذریعے لین دین کا رواج فلوس نافقہ کی طرح ہی ہو گیا ہے بلکہ موجودہ دور میں دھاتی سکوں کا وجود بھی نادار ہو چکا ہے لہٰذا ان نوٹوں کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ ان کے ذریعے زکوٰۃ فی الفور نہیں ہوتی یا ایک کرنسی نوٹ کی دوسری کرنسی نوٹ میں تبدیلی کو یہ کہہ کر ناجائز قرار دینا کہ بیع الکالی بالکالی کی قبیل سے ہے۔[25]

کرنسی نوٹ پر زکوۃ:

فقہاء میں سے مفتی منیب الرحمان، مفتی محمد تقی عثمانی اور علامہ غلام رسول سعیدی کہتے ہیں کہ جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چونکہ یہ نوٹ قرضوں کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے اس لیے ان نوٹوں پر رقرض کی زکوٰۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے بلکہ ان پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہوں گے۔

منتخب فقہاء کی آراء:

فقہاء کے نزدیک شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ معاہدہ کے وقت فریقین جو بھی نرخ مقرر کر لیں اس کو ربوا قرار نہیں دیا جائیگا۔ البتہ اگر سرکار کی طرف سے کوئی نرخ مقرر ہے تو اس کا وہی حکم ہو گا جو موجودہ بازاری نرخ ہوگا۔ فقہاء کے نزدیک ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے مثلاً ایک ریال اور ڈالر کا تبادلہ ایک

[24] سعیدی، شرح صحیح مسلم، ۴/ ۳۶۲

[25] ایضاً، ۴/ ۳۶۲

سے زائد پاکستانی روپیوں سے کرنا جائز ہے۔ فقہاء کے مطابق کرنسی نوٹ اب فلوس نافقہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور ان کے ذریعے لین دین کا رواج بھی اسی طرح ہے۔

نوٹوں کا نوٹوں سے تبادلہ:

فقہاء کے مطابق نوٹوں سے تبادلہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں

۱۔ ایک ہی ملک کے نوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے۔

۲۔ ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا دوسرے ملک کے کرنسی نوٹوں سے تبادلہ کیا جائے۔

ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ:

تمام معاملات میں کرنسی نوٹوں کا حکم سکوں کی طرح ہے جس طرح سکوں کا آپس میں تبادلہ جائز ہے اسی طرح ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ مساوات کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے کمی یا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں۔

مفتی محمد تقی عثمانی کہتے ہیں "کہ موجودہ دور کی علامتی کرنسی نوٹ کے مسئلہ میں امام مالک اور امام محمد کا قول ایک فلس (پیسے) کا تبادلہ دو فلسفوں سے شرعاً سود ہونے کی بناء پر حرام ہے اس لیے کہ امام شافعی امام، ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا مسلک ان کے نزدیک فلوس متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ان کا تعین صرف قبضہ سے ہو سکتا ہے ان کا مسلک اختیار کرنے سے سود کا دروازہ کھل جائے گا اور ہر سودی کاروبار اور لین دین کو اس مسئلہ کی آڑ بنا کر اسے جائز کر دیا جائے گا۔[26]

مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ:

فقہاء کے نزدیک ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بالاتفاق جائز ہے مثلاً ایک ریال اور ڈالر کا تبادلہ ایک سے زائد پاکستانی روپیوں سے کرنا جائز ہے۔ اگر حکومت ریال اور ڈالر کی قیمت مقرر کر دے تو اس صورت میں علماء کے نزدیک مقرر کردہ بھاؤ کی مخالفت کرتے ہوئے کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ جائز ہے اس سے سود لازم نہیں آئے گا۔

مروجہ کرنسی کے ساتھ ادھار والا معاملہ:

کیا کرنسی کے ساتھ ادھار والا معاملہ کرنا جائز ہے کہ نہیں مثلاً کہ کوئی شخص ایک ملک کی کرنسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دے دے کہ تم اس کے بدلے میں اتنی مدت کے بعد فلاں ملک کی بستی فلاں جگہ پر دینا امام ابو حنیفہ

[26] تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ۳/ ۱۶۰-۱۶۱

کے نزدیک جائز ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک اثمان کی بیع کے وقت ثمن کا عقد کرنے والے کی ملکیت مین ہونا شرط نہیں۔

مولف کی رائے:

مولف کے نزدیک کرنسی نوٹ اب فلوس نافقہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں اور ان کے ذریعے لین دین کا رواج بھی اسی طرح ہے جس طرح سکوں کا آپس میں تبادلہ جائز ہے اسی طرح ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ مساوات کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے کمی یا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں البتہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہیں ان کے درمیان کمی زیادتی جائز ہے۔

تالاب میں مچھلی کی بیع:

ہمارے زمانے میں تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت کا معاملہ کثرت سے رائج ہے۔ جس میں بعض دفعہ معاملہ شریعت کے مقررہ اصولوں کے خلاف طے پاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس کے احکام اچھی طرح سمجھ لئے جائیں۔ کسی چیز کو فروخت کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں: اول یہ کہ جو چیز بیچی جارہی ہو وہ بیچنے والے کی ملکیت ہو۔ یہ تو ظاہر ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی حوالگی اور سپردگی ممکن ہو اگر وہ فی الحال اس کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو تو بیع درست نہ ہوگی[27]۔

مثلاً بھاگے ہوئے جانور یا کسی گم شدہ سامان کو فروخت کیا جائے کہ گو وہ اپنے اصل مالک ہی کی ملکیت ہے لیکن بر وقت اس کو حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ مچھلی کے سلسلہ میں بھی یہی تفصیل ہے۔ اگر مچھلی اس شخص کی ملک میں داخل ہے اور وہ باآسانی اس کے حوالہ کرنے پر قادر بھی ہے تو اب اس کی خرید وفروخت درست ہوگی۔ اگر وہ اس کی سپردگی پر قادر نہ ہو یا ابھی اس کا مالک ہی نہ ہوا ہو تو خرید فروخت کا معاملہ جائز نہ ہوگا۔

فرضی بیع (بیع تلجیہ):

آج کل "فرضی بیع" کی صورت بھی مروج ہے، یعنی خرید وفروخت مقصود نہیں ہوتی البتہ کسی مصلحت سے اظہار کیا جاتا ہے کہ ہم دونوں نے باہم خرید وفروخت کا معاملہ کیا ہے۔ اس صورت میں بیع نہیں ہوتی یعنی خریدار اس شئی کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ حسب سابق اصل مالک ہی کی ملک میں باقی رہے گی البتہ یہ بات اسی وقت ثابت ہو

[27] مرغینانی، ہدایہ، ۳/ ۸۸

سکتی ہے جب یا تو دونوں کو اس کا اقرار ہو یا اس خفیہ معاہدہ پر کوئی دوسرا شرعی ثبوت موجود ہو۔ اسے بیع تلجیہ بھی کہتے ہیں[28]۔

خرید وفروخت میں تاجر کا کچھ زیادہ دینا:

بعض علاقوں میں یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ تاجر سامان حوالہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے کچھ دیا کرتا ہے۔ مختلف جگہوں پر اس کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں تاجر سے مطالبہ کرنا یا زبردستی اس سے لینا جائز نہیں کیوں کہ خرید وفروخت میں آدمی اتنے ہی مال کے مطابق کا حق رکھتا ہے جو باہم طے پایا ہے۔ ہاں اگر تاجر خود اپنی طرف سے کچھ دے دے تو مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ فقہاء نے اس بات کو درست قرار دیا ہے کہ تاجر بطور خود سودے میں کچھ اضافہ کردیں جیسے مختصر القدوری میں ہے۔

" يجوز للمشتري أن يزيد البائع في الثمن و يجوز للبائع ان يزيد للمشتري في المبيع و يجوز أن يحط من الثمن"[29]

"خریدار کے لئے جائز ہے کہ تاجر کے لئے قیمت اضافہ کردے اور بیچنے والے کو درست ہے کہ خریدار کے لئے سودے میں کچھ اضافہ کردے یا قیمت میں کچھ کمی کردے"۔

پارسل، رسائل وغیرہ کا ڈاک میں ضائع ہو جانا:

آج کل خرید وفروخت کے لئے بکثرت ڈاک اور پارسل وغیرہ کے نظام سے مدد لی جاتی ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ راستہ میں وہ چیز ضائع ہو جاتی ہے رسائل وجرائد میں آئے دن ایسا تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس نقصان کا ذمہ دار کون ہوگا؟ بیچنے والا یا خرید کرنے والا؟ رسائل وجرائد کے مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے دوبارہ رسالہ دینے کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے اور عام عرف کے مطابق ڈاک سے بھیجنے کی بات کہی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محکمہ ڈاک کو اپنا وکیل قرار دینا نہیں چاہتا بلکہ اس کو خریدار کا وکیل قرار دیتا ہے جس کے قبضہ کرلینے کے بعد وہ بری الزمہ ہو جائے اور اگر ضائع ہو جانے پر دوبارہ بھیجنے کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ بعض رسائل کے ایڈیٹر اعلان کرتے ہیں تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ محکمہ ڈاک کو اپنا وکیل سمجھتے ہیں اس لئے وہ دوبارہ رسالہ بھیجنے کے ذمہ دار ہوں گے[30]۔

---

[28] رحمانی، جدید فقہی مسائل، ۱/ ۲۴۶

[29] البغدادی، محمد بن احمد، مختصر القدوری، (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۱)، ص: ۸۱

[30] رحمانی، جدید فقہی مسائل، ۱/ ۲۴۴

اخبارات ورسائل کی خرید وفروخت:

عموماً اخبار و ورسائل کے لئے سالانہ رقم پیشگی لی جاتی ہے اور روزانہ یا ماہ بماہ جریدہ ان کو دیا جاتا ہے۔ ان اخبارات ورسائل میں کبھی ضخامت بڑھادی جاتی ہے اور کبھی کم کر دی جاتی ہے، کبھی ایک یا چند صفحات میں ایسے اشتہارات دیئے جاتے ہیں جن سے خریداروں کو کوئی فائدہ نہیں۔ ان حالات میں "مبیع" (جو چیز بیچی ہے) ایک حد تک غیر متعین اور فقہ کی اصطلاح میں "مجہول" ہو جاتی ہے۔ پھر کیا ایسی صورت کا یہ، معاملہ درست ہو گا۔ ؟چنانچہ علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: بعض بیوع فاسدہ ایسی ہیں کہ اگر انسان ان کو کر ہی لے تو" دیانتہ" جائز ہو جائیں گی گو کہ وہ قضاءً فاسد ہوں گی اور یہ اس لئے بیع میں فساد کبھی شریعت کے حق کی بناء پر ہوتا ہے۔ بایں طور کہ معاملہ کسی کار گناہ پر مشتمل ہو۔ ایسی صورت میں بیع کسی حال جائز نہ ہو گی اور کبھی یہ فساد اختلاف کے اندیشہ سے ہوتا ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو موجب گناہ ہو، تو اگر اس میں اختلاف اور نزاع کا اندیشہ نہ ہو تو میرے نزدیک دیانتہ جائز ہے گو کہ قضاءً فاسد ہو گی اس لئے کہ فساد کا اصل سبب یعنی نزاع باقی نہیں رہا [31]۔

جدید نظام بینکاری، اور منتخب فقہاء کی آراء

موجودہ نظام معیشت میں سود ایک ایسی لعنت ہے جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ قرآن وسنت میں اسکی حرمت کا تذکرہ جتنی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، اور اُس پر جو وعیدیں ارشاد ہوئی ہیں، شاید کسی اور گناہ کے لئے نہیں ہوئیں۔ یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد دنیا میں جو اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان میں سے ایک بینکاری کے نظام کا ظہور تھا۔ یوں تو بینکاری کی تاریخ اس سے بھی پرانی بتلائی جاتی ہے۔ تاہم موجودہ دور میں اس کی شکل وہئیت، صنعتی تہذیب ہی سے جڑی ہوئی ہے۔

پروفیسر اوصاف لکھتے ہیں:

"خود مغربی دنیا میں بھی تجارتی بینکوں کی تاریخ کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ مغربی دنیا میں تجارتی بینکاری کے نظام کا ظہور اور اسکی ترقی، گزشتہ دو اڑھائی صدیوں میں صنعتی تہذیب کے عروج کے ساتھ ساتھ ہوئی ہے۔ صنعتی انقلاب کے نتیجہ میں تاجروں، صنعت کاروں اور صانعین کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا۔ جو اپنے کاروبار کو وسعت دینا چاہتے تھے اور مختلف اشیاء کی پیداوار کے لئے کارخانے قائم کرنا چاہتے تھے، لیکن خود انکے ذاتی مالی وسائل اس کام کے لئے کافی نہ تھے۔ اس لئے کسی ایسے طریقے کی ضرورت تھی جس کے ذریعے انہیں لوگوں کے مالی وسائل پر

---

[31] کشمیری، انور شاہ، فیض الباری، (زمزم پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۵)، ۳/ ۲۵۸

تصرف کا موقع حاصل ہو سکے جن کے پاس وسائل تو تھے لیکن وہ اسکے پیداواری (Productive) استعمال سے قاصر تھے۔"[32] یہی مالیاتی ثالثی (Financial Intermediation) تھی جسکی ضرورت نے تجارتی بینکاری کو وجود دیا۔ یہ اس مفروضہ پر قائم ہے کہ ایک جانب کھاتہ داروں (Borrowers) اور بینک اور دوسری جانب قرض داروں (Depositors) اور بینک کے درمیان تعلق، لین دین اور دین داری کا تعلق ہے۔

سود اس نظام میں ساکھ (یا ادھار) کی قیمت تصور کیا جاتا ہے جو زر کی متبادل لاگت کو ظاہر کرتا ہے۔[33]

مسلمان علماء و فقہا نے سود کی اس موجودگی کے باعث ہی روایتی مغربی بینکاری کو رد کیا تھا۔ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں ۔سب علماء حضرات اس فکر میں ہیں کہ موجودہ نظام بینکاری کو سود سے پاک کرکے ایسا متبادل نظام قائم ہو جس کے ذریعے اس حرام معاملے سے نجات مل سکے۔[34]

ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لئے مسلمان ہوتے ہوئے۔ شرعی طور پر سودی بینکاری کو اپنانے کی اب کوئی صورت نہ تھی۔ اب اہل اسلام کے لئے ایک ہی راستہ تھا۔ وہ یہ کہ وہ اس نظام کے متبادل کوئی دوسرا نظام لے کر آئیں۔ اس نظام بینکاری کو وہ بالکلیہ اس لئے رد نہیں کر سکتے تھے کہ وہ جدید صنعتی اور مالیاتی نظام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

علامہ غلام رسول سعیدیؒ لکھتے ہیں

بنک کے ذریعے ملک کے تمام بکھرے ہوئے افراد کا سرمایہ ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے، لوگ فرداً فرداً اپنے پیسے کی حفاظت نہیں کر سکتے، بنک کے ذریعے لوگوں کی رقمیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اگر بنک کا وجود نہ ہو تو ملک میں کسی بڑی صنعت کا قیام نہیں ہو سکتا اور بین الاقوامی تجارت قریب قریب ناممکن ہو جائے گی۔[35]

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر مغربی سودی بینکاری کے متبادل اسلامی بینکاری کے نظام کے آنے میں اس قدر تاخیر کیوں ہوئی۔ اسکا جواب دیتے ہوئے ایک مفکر لکھتے ہیں کہ عین اسی دور میں مغربی افکار اور اسلام کے درمیان ہم آہنگی ظاہر کرنے کا مزاج بھی ابھرا تھا۔ بعض دانشوروں نے بینک کے سود کے بارے میں یہ توجیہ کی کہ حرمت ربا کا اطلاق صرف ان قرضوں پر ہوتا ہے جو افراد کی طرف سے نا مناسب شرح سود (Usurious Loan) پر دیئے جائیں۔ بعض نے یہ کہا کہ مقاصد صرف (Consumption Purposes) کے لئے لیا جانے

---

[32] اوصاف احمد، پروفیسر، اسلامی بینک کاری (انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء)، ص: ۲۳

[33] ایضاً، ص: ۱۹

[34] تقی عثمانی، مفتی، غیر سودی بینکاری (مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۶ء)، ص: ۸

[35] سعیدی، غلام رسول، علامہ، مقالات سعیدی (فرید بک سٹال، لاہور، ۲۰۰۳ء)، ص: ۳۹۹

والا قرض اگر سودی ہو تو وہ حرام ہے جبکہ تجارتی بینکوں کا سود عموماً پیداواری قرضوں (Productive Loans) پر ہونے کے باعث حرام نہیں ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ نوآبادیاتی دور میں بیشتر اسلامی ممالک کی معیشتیں نو آبادیاتی طاقتوں کے قبضہ واختیار میں تھیں۔ لہٰذا وہ کسی متبادل نظام کے لانے پر از خود قادر نہ تھے۔[36]

پاکستان میں اسلامی بنکاری میں البرکہ بنک، اسلامی بنک، میزان بنک، دوبئ اسلامک بنک، برج بنک سود سے پاک خالص اسلامی بنکاری کے مدعی ہیں۔ اسکے علاوہ باقی تمام سودی بنکوں نے بھی اسلامی بنکاری کی شاخیں کھول لی ہیں۔ پاکستان کی معروف علمی شخصیت مفتی منیب الرحمان، مفتی تقی عثمانی اور انکے تلامذہ اکثر بنکوں میں شرعی نگران کے طور پر مقرر ہیں۔ جدید نظام بنکاری کو سمجھنے کے لئے بنک کی تعریف، تاریخ، قیام، اقسام، سودی بنکاری کا اسلامی متبادل نظام پر مختصر سی روشنی ڈالتے ہیں۔

بینک کی تعریف:

"بینک "ایک ایسے تجارتی ادارے کا نام ہے جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کرکے تاجروں، صنعت کاروں اور دیگر ضرورت مند افراد کو قرض فراہم کرتا ہے آج کل روایتی بینک ان قرضوں پر سود وصول کرتے ہیں اور اپنے امانت داروں کو کم شرح پر سود دیتے ہیں اور سود کا درمیانی فرق بینکوں کا نفع ہوتا ہے۔[37]

بینک کی تاریخ:

نظام زر کے ارتقاء پر گفتگو کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ لوگ اپنا سونا صرافوں کے پاس بطور امانت رکھ دیتے تھے، اور سنار اس کی رسید لکھ دیتے تھے، پھر رفتہ رفتہ ان رسیدوں سے ہی معاملات شروع ہو گئے، لوگ سونا واپس لینے کے لے کم آتے تھے، تو یہ صورت حال دیکھ کر صرافوں نے سونا قرض دینا شروع کر دیا، پھر جب یہ دیکھا کہ لوگ عموماً رسیدوں سے ہی معاملات کرتے ہیں تو صرافوں نے بھی قرض خواہوں کو سونے کی بجائے رسیدیں دینی شروع کر دیں، اس طرح بینک کی صورت پیدا ہوئی، بعد میں اسی کو ایک منظّم ادارے کی شکل دے دی گئی۔[38]

بینک کا قیام:

بینک بھی بنیادی طور پر "جوائنٹ اسٹاک کمپنی" ہے اس کے قیام کا طریقہ وہی ہے جو کمپنی کے قیام کا ہوتا ہے۔ بینک لوگوں کو اپنی امانتیں جمع کرانے کی دعوت دیتا ہے، (جو فقہی طور پر قرض ہی ہوتا ہے) ان کو اردو میں "امانتیں" عربی میں "ودائع" اور انگریزی میں "Deposits" کہتے ہیں۔

---

[36] اوصاف احمد، اسلامی بینکاری، ص: ۲۶۔۲۵

[37] تقی عثمانی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۱۴۰

[38] ایضاً، ص: ۱۴۰

ڈیپازٹ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں:۔

Current Account (کرنٹ اکاونٹ) اس کو عربی میں "الحساب الجاري " اور اردو میں "مدرواں" کہتے ہیں۔اس میں رکھی ہوئی رقم پر سود نہیں ملتا ہے اس اکاونٹ میں رکھی ہوئی رقم کسی وقت بھی، جتنی مقدار میں چاہیں بغیر کسی پابندی کے نکوالی جاسکتی ہے۔

" Saving Account "(جس کو عربی میں" حساب التوفیر" اور اردو میں "بچت کھاتہ ہیں۔اس میں رقم نکوالنے پر عموماً مختلف پابندیاں ہوتی ہیں اس پر بینک سود دیتا ہے۔

" Fixed Depoist "(جس کو عربی میں "ودائع ثابتة " کہتے ہیں۔اس میں مقرر مدت سے پہلے رقم واپس نہیں لی جاسکتی اس میں بینک سود دیتا ہے اور سود کی شرح مدت کے مطابق ہوتی ہے طویل مدت میں شرح زیادہ ہوتی ہے اور کم مدت پر شرح کم ہوتی ہے۔[39]

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں جب ان تین قسم کے ڈپاڑٹ سے بینک کے پاس سرمایہ جمع ہو جاتا ہے اور کچھ بینک کا ابتدائی سرمایہ بھی ہوتا ہے تو اس تمام سرمائے کو استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس سرمائے کا ایک مقررہ حصہ سیال شکل میں اسٹیٹ بینک کے پاس جمع کرانا ضروری ہوتا ہے، مرکزی بینک میں یہ سرمایہ عموماً ایسے سرکاری تمسکان کی شکل میں رہتا ہے جو بآسانی نقد میں تبدیل کئے جاسکیں اور ان پر کچھ سود بھی ملتا رہے۔ مرکزی بینک یہ طے کرتا ہے کہ تجارتی بینک اپنی امانتوں کا کتنے فیصد حصہ مرکزی بینک میں رکھیں گے، حالات کے لحاظ سے یہ تناسب بدلتا رہتا ہے، آج کل امانتوں کا تقریباً چالیس فیصد حصہ اسٹیمٹ بینک میں رکھوانا پڑتا ہے اسٹیٹ بینک تمام بینکوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے، اس لئے کہ بینک میں بے شمار افراد کی رقمیں ہوتی ہیں۔ اسٹیٹ بینک کے فرائض میں داخل ہے کہ ڈپازیٹر کے مفادات کا تحفظ کرے سیال سرمائے۔ سے مراد وہ سرمایہ ہے جو نقد ہو یا جلدی نقد پذیر ہو، اس کو عربی میں "السیوایہ" انگریزی میں"Liquidity"اور اردو میں "نقد پذیری" کہتے ہیں [40]۔

بینک سرمایہ جمع کرنے کے بعد کئی وظائف ادا کرتا ہے، مثلاً تمویل، تخلیق زر برآمد، درآمد میں واسطہ بننا وغیرہ اس میں کیش دوسرے بینک میں اکاونٹس اور ایسی دستاویزات شامل ہیں جو بہ سہولت نقد میں تبدیل ہو سکتی

[39] سعیدی، غلام رسول، علامہ، مقالات سعیدی، ص: ۳۶۲

[40] تقی عثمانی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۱۴۲

ہوں۔ جیسے سرکاری تمسکات وغیرہ۔ پھر بینک کچھ سیال سرمایہ اپنے پاس بھی رکھتا ہے، تاکہ ڈپازیٹر کے مطالبات پورے کرسکے۔

بینک کی اقسام :

بینک کی کئی قسمیں ہیں بعض بینک خاص شعبوں میں تمویل کرتے ہیں اور بعض عمومی تمویل کرتے ہیں اس طرح

بینکوں کی اقسام یہ ہیں۔

زرعی بینک:۔

جس کو عربی میں "المصرف الزراعي" اور انگریزی میں "Agricultural Bank" کہتے ہیں، یہ بینک زراعت کے شعبے میں قرض فراہم کرتا ہے

صنعتی بینک:۔

جس کو عربی میں " المصرف الصناعي" اور انگریزی میں "Industrial Bank" کہتے ہیں۔ اس کا کام صنعتی ترقی کے لئے قرضے فراہم کرنا ہے۔

ترقیاتی بینک:۔

جو بینک کسی بھی شعبے میں ترقیاتی کاموں کے لئے قرض دیتے ہیں ان کو "ترقیاتی بینک" کہتے ہیں جس کو عربی میں " بنوك التنمية " اور انگریزی میں "Development Banks" کہتے ہیں۔

کوآپریٹو بینک:۔

"Co-operative Bank" اس کو عربی میں " المصرف التعاوني" کہہ سکتے ہیں۔ یہ بینک امداد باہمی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، اس کا دائرہ کار ممبران تک محدود ہوتا ہے جو لوگ اس کے ممبر ہوتے ہیں انہیں کے پاس ڈپازٹ ہوتے ہیں اور انہیں کو قرض دیا جاتا ہے۔

انوسٹمنٹ بینک:۔

Investment Bank عربی میں " بنک الاستمار " کہتے ہیں بظاہر مختلف ممالک میں یہ اصطلاح مختلف مفہوم کے لئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ ہمارے ہاں اس سے مراد ایسا بینک ہوتا ہے۔ جس میں ڈپازٹ متعینہ مدت کے لئے ہوتے ہیں، عام کرنٹ اکاؤنٹ یا سیونگ اکاؤنٹ اس میں نہیں ہوتے۔ صرف فکسڈ ڈپازٹ ہوتے ہیں اور قرضے

بھی محدود مدت کے لئے جاری کئے جاتے ہیں اس سے کم مدت کے لئے قرضے نہیں دئے جاتے۔ ان تمام بینکوں کا دائرہ کار محدود ہوتا ہے۔

کمرشل بینک:۔

ایسے بینک جو عمومی تمویل کا کام کرتے ہیں کسی شعبے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے ان کو ''کمرشل بینک Commercial Bank'' اور عربی میں " البنك التجاري" کہتے ہیں[41]

اسلامی بینکاری کی تاریخ:

اسلامی بینکاری کی تاریخ کے موضوع پر اولین تحریر ۱۹۴۰ء میں ملتی ہے۔ لیکن اسلامی بینکاری کے اولین تجربات بیسوی صدی کی چھٹی دھائی میں ملتے ہیں۔ ان میں مصر میں مت غمر کا تجربہ، ملائشیاء میں تبونگ حاجی کا تجربہ، پاکستان کے شہر کراچی میں ایک غیر سودی بینک کا تجربہ شامل ہے۔[42] مت غمر کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مت غمر کا تجربہ:

مت غمر بنیادی طور پر ایک دہی علاقہ تھا یہاں کی آبادی دوسرے دہی علاقوں کی طرح مذہبی احکام کی پابند تھی یہ لوگ اپنی بچتیں عام تجارتی بینکوں میں اس لئے نہیں رکھواتے تھے کہ ان بینکوں میں بچتوں پر سود ملتا تھا۔ نیز دہی علاقوں میں یوں بھی تجارتی بینک اپنی شاخیں نہیں کھولتے۔ ان لوگوں کی اکثر بچتیں سماجی تقریبات اور ناگہانی آفات کا مقابلہ کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ لیکن وہ پیداوار اور سرمایہ کاری میں تبدیل نہیں ہوتی تھیں۔

مت غمر پروجیکٹ میں بینک تین طرح کے کھاتے کھولتے تھے، بچت کھاتے، سرمایہ کاری کھاتے اور زکوۃ کھاتے، بچت کھاتوں میں جمع شدہ رقم کو عندالطلب نہیں نکالا جاسکتا تھا۔ گو بعض شرائط کے ساتھ اسکی اجازت رکھی گئی تھی۔ اس رقم کی سرمایہ کاری نفع میں شرکت کی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ کھاتہ داروں کو سود کی بجائے نفع کا ایک حصہ ادا کیا جاتا تھا۔ زکوۃ کھاتے میں وہ رقوم وصول کی جاتی تھیں، جن کو زکوۃ کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہوا اور ادا کنند گان غرباء اور مستحقین میں اس رقم کی تقسیم بینک کے ذریعہ کرانا چاہتے ہوں۔[43] تبونگ حاجی کی کچھ تفصیل یوں ہے۔

تبونگ حاجی:

---

[41] تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت تجارت، ص: 145

[42] اوصاف احمد، پروفیسر، اسلامی بینکاری، ص: ۲۸۔۲۹

[43] ایضاً، ص: ۲۸

اس کو اسلامی بینکاری کی تاریخ میں مرکزی اہمیت حاصل ہے اس ادارے کے قیام کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ اکثر ملائشی مسلمان حج پر جانے سے قبل اپنی جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ فروخت کر دیتے تھے حج سے واپسی کے بعد یہ لوگ اقتصادی بد حالی کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس لئے کسی ایسے ادارے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جو حج پر سفر کے لئے مالیات فراہم کر سکے، دوسرا مقصد یہ تھا کہ حج پر خرچ کی جانے والی رقوم سود کی آمیزش سے پاک رہیں۔
عام تجارتی بینکوں میں یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا ان مقاصد کے حصول کے لئے ۱۹۶۳ء میں زائرین بچت کارپوریشن قائم کی گئی، جسکو ۱۹۶۹ء میں تبونگ حاجی میں ضم کر دیا گیا تبونگ حاجی کے بطور مالیاتی ادارے کے مندرجہ ذیل مقاصد تھے۔[44]

۱۔ مسلمانوں کو ایسے مواقع بہم پہنچانا کہ وہ حج کے اخراجات یا اپنے دوسرے نفع بخش مقاصد کے لئے بچت کر سکیں۔

۲۔ مسلمانوں کو ایسے مواقع فراہم کرنا کہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی بچت کی سرمایہ کاری، صنعت، تجارت، باغات اور غیر منقول جائیداد وغیرہ میں کر سکیں۔

۳۔ حج کے سفر کے دوران تبونگ حاجی کی مختلف سہولیات کے ذریعے مسلمانوں کی حفاظت اور بہبود کے لئے خدمات کی فراہمی۔ تبونگ حاجی کی سرمایہ کاری کی چار مختلف شکلیں ہیں۔ ا۔ تجارتی حصص میں سرمایہ کاری۔ ۲۔ ذیلی کمپنیوں میں سرمایہ کاری۔ ۳۔ آراضی اور عمارات کی تعمیر میں سرمایہ کاری۔ ۴۔ کم مدتی سرمایہ کاری۔[45]

دیگر اسلامی بینکوں کا قیام:

ستر (۷۰) اور اسی (۸۰) کی دہائی میں اسلامی بینکوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ پچھلی صدی کے آخر تک بیسیوں بینک اور سرمایہ کاری کی کمپنیاں وجود میں آچکی تھیں۔ بینکوں میں دبئی اسلامی بینک اور اسلامی ترقیاتی بینک قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر کا مقصد اسلامی بینکاری کے بارے میں تجربہ، رہنمائی اور سرمایہ فراہم کرنا ہے۔ بڑی بڑی ہولڈنگ کمپنیوں میں دارالمال الاسلامی (DMI) ہے، ۱۹۹۲ء تک یہ ادارہ ۲۲ مختلف اداروں کے ذریعہ ۱۴ ملکوں میں کام کر رہا تھا۔ دوسری بڑی کمپنی "البرکۃ گروپ" ہے۔ یہ بھی ۱۹۹۲ء تک ۲۱ ذیلی کمپنیوں کے ساتھ کام کر رہی تھی۔[46]

---

[44] اوصاف احمد، اسلامی بینکاری، ص: ۲۹۔۳۱

[45] ایضاً، ص: ۳۰

[46] اوصاف احمد، اسلامی بینکاری، ص: ۳۲۔۳۳

پاکستان میں جدید اسلامی بینکاری نظام:

پاکستان میں اسلامی بینکاری کی تاریخ انیسویں صدی عیسیوی کی ساتویں دھائی سے شروع ہوتی ہے۔ پاکستان وہ پہلا اسلامی ملک ہے جس میں سرکاری سطح پر اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ ملک کی معیشت کو سود سے پاک کیا جائے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کو ایک خاص ہدف (Target) دیا گیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے نومبر ۱۹۷۷ء میں ملک کے نامور علماء، ماہرین اقتصادیات و بینک کاری پر مشتمل ایک پینل قائم کیا۔ جس نے اپنی رپورٹ فروری ۱۹۸۰ء میں پیش کر دی۔

پھر ۵۱ جون ۱۹۸۹ء کو کونسل نے اپنے ایک اجلاس میں اس رپورٹ کو آخری اور حتمی شکل دے دی اور حکومت کو پیش کر دی۔[47] اس رپورٹ کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کونسل کے چیئر مین لکھتے ہیں۔ سود سے متعلق کونسل کی رپورٹ اپنے موضوع پر دنیا میں سب سے پہلی کوشش ہے جس کی تیاری میں نہ صرف صاحب بصیرت علمائے دین بلکہ جدید اقتصادیات و بینک کاری کے پیچیدہ علمی اور فنی مسائل کا گہرا شعور و ادراک رکھنے والے اہل نظر حضرات کا وسیع تجربہ بھی شامل ہے۔[48]

بہر حال سودی بینکاری کو ختم کئے بغیر سودی بینکوں ہی میں نفع و نقصان کی بنیاد پر شراکتی کھاتے (Profit and loss sharing Accounts) کھولے گئے، نیز دوسرے متبادلات رائج کئے گئے۔ مگر وہی ہوا جسکا خدشہ تھا۔ نفع نقصان کی بنیاد پر شراکتی کھاتے صحیح اسلامی خطوط پر چل سکے اور نہ ہی دوسرے متبادلات مثلاً مرابحہ موجلہ، وغیرہ صحیح طریقے پر استعمال ہوئے، نتیجہ یہی ہوا کہ سودی بینکاری ختم نہ ہو سکی۔[49]

ہمیشہ پاکستان کے اہل علم حضرات کی یہ کوشش رہی کہ بینکاری کے نظام کو اس طریقے سے اسلامی خطوط پر استوار کیا جائے کہ کوئی شخص یا ادارہ آسانی سے اسے اغواہ (Trap) نہ کر سکے، مفتی محمد شفیع کے وقت سے مقتدر علماء کی مجلس، "تحقیق مسائل حاضرہ" کراچی میں قائم تھی۔ اور دیگر متعدد علماء مفتی منیب الرحمان، مفتی تقی عثمانی، وغیرہ کی ایک جماعت نے بلاسود بینکاری کے مسئلہ پر تحقیق کے لئے مختلف اجلاس منعقد کئے ان اجلاسوں میں کچھ تجاویز منظور ہوئیں۔ بعدازاں انہی تجاویز کی بنیاد پر بینکنگ کا جو نظام پروان چڑھا آج ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اسلامی بینک اور اسلامک ونڈوز میں وہی نافذ العمل ہے۔

---

[47] بلاسود بینکاری پر اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کا حرف آغاز، ص: ۲

[48] ایضاً، ص: ۳

[49] تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص: ۱۳۸۔ ۱۴۳

پاکستان میں جو اسلامی بنک مستند شریعہ بورڈز اور علما کرام کے زیر نگرانی کام کر رہے ہیں وہ سودی بنکاری کا اسلامی متبادل نظام ہے، اس میں مشارکہ، مضاربہ اور وکالہ کے طور پر شرعی اصولوں کے مطابق کام کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان اسلامی بنکوں کے ساتھ لین دین کرنا سودی بنکوں کی بنسبت بہتر اور جائز ہے۔

نتائج بحث:

1. دین اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اس میں انسان کی تمام ضروریات کا حل موجود ہے۔
2. حلات زمانہ کے تغیر سے احکام میں بھی تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے جسکی اسلام میں گنجائش موجود ہے۔
3. اسلامی جدید معاشی مسائل کے حل سے ہم حلال پر کاربند اور حرام سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں۔
4. اسلامی نظام بنکاری جو مستند شریعہ بورڈ کے زیر نگرانی کام کر رہے ہیں وہ سودی بنکنگ سے بہتر ہیں ہم انکے ساتھ لین دین کر سکتے ہیں۔

سفارشات و تجاویز:

1. جدید معاشی مسائل کے حل کے لئے تمام مکاتب فکر کے علما کرام کو حکومتی سرپرستی میں مشترکہ لائح عمل تیار کرنا چاہئے۔
2. تغیر پزیر اور غیر تغیر پزیر مسائل کی نشاندہی کرنی چاہے۔
3. بنکنگ نظام کو بالکل سود سے پاک کرنا چاہئے اور اسلامی بنکاری پورے ملک میں رائج کرنی چاہئے۔
4. اسلامی بینکوں کو اپنا Inter bank offered rate قائم کرنا چاہئے۔ نیز اسلامی بینکوں کو اپنے معاملات میں شرکت و مضاربت کا وزن بڑھانا چاہئے۔ اجارہ و مرابحہ کو اپنانے میں احتیاط کرنی چاہیے، اسلامی اقدار کی پاسداری کرنی چاہئے، روایتی بینکاری کے طریقوں سے گریز کرنا چاہئے، اپنا سرمایہ بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں اور منصوبوں میں لگانا چاہئے۔
5. سیمینارز، کانفرنسز اور مختلف تربیتی پراگرامز کے ذریعے لوگوں بالخصوص تاجر حضرات کو جدید معاشی مسائل اور انکے حل سے آگاہ کرنا چاہئے۔